



## سوال

(281) نقصان دہ ولی کی ولایت نکاح کا حکم

## جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صائمہ بنت فقیر محمد ایک یتیم لڑکی ہے جس کی والدہ گونگی ہے حقیقی بھائی کوئی نہیں اور حقیقی چچا بھی نہیں ہے اس نے حسین نامی لڑکے سے بدون اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے اپنے علاقائی بھائیوں کی اجازت سے ولی کا تقرر کیا اور نکاح کر لیا۔ لڑکا لڑکی کچھ عرصے چھپے رہے۔ راز افشا ہونے پر لڑکی کے نخیالی اور دو دھیالی رشتہ داروں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور لڑکی کو واپس مانگا۔ ساجد کے والد نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ صائمہ کے رشتہ داروں کا مطالبہ پورا کرے کیونکہ بصورت دیگر تنازعہ بڑھنے کا خدشہ تھا۔ تینتاً ساجد نے طلاق دی اب لڑکی حاملہ ہے۔ عدت ۹۷-۳-۱۴ کو پوری ہوگی۔ کیا ساجد مراجعت کر سکتا ہے؟ مندرجہ بالا بیان حلفاً درست ہے، قرآن و سنت کی رو سے فیصلہ فرمائیں۔

(حسین ساجد ولد عبدالحق عبید مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۴ مسجد غوثیہ سگھیاں ستارے بلاک گلشن راوی لاہور)

## الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

بشرط صحت سوال و بیان حلفی صورت مسئولہ میں تین باتیں نتیج طلب ہیں۔

۱: کیا نکاح شرعاً منعقد ہو چکا ہے یا نہیں؟

۲: کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

۳: اگر واقع ہو چکی ہے تو کیا موثر ہو گئی ہے یا ابھی موثر نہیں ہوئی؟

اب ان تینوں باتوں پر تبصرہ اور مناقشہ پیش خدمت ہے۔

۱: اس حقیقت میں قطعاً کوئی ابہام نہیں کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں جیسا کہ کتب احادیث میں زبان زوعام مشہور حدیث ہے:

(عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ»)) (۱: أخرجه، البوداؤد ج ۲ ص ۵۷، والترمذی ج 1 ص ۲۰۳، ۲۰۴، والدارمی ج ۲ ص ۱۳۷، والبیہقی ص ۱۰۷، ۱۰۸)

ازواء الخلیل ج ۶ ص ۲۳۶ و نیل الاوطار باب لانکاح الایولی ج ۱ ص ۱۳۵

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوتا“

(قال الحاکم وقد صحت الروایة فیہ عن الأزواج المطہرات عائشہ وأم سلمہ وزینب بنت جحش ثم سرد تمام ثلاثین صحابیا) (۱: ارواء الخلیل ج ۶ ص ۲۳۶)

کہ یہ حدیث صحیح نبی کریم کی بیوی حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سمیت تیس اصحاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس حدیث کو امام علی بن مدینی، امام بخاری اور حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم سے حافظ ذہبی نے موافقت کی ہے۔ اور امام ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

پس یہ حدیث اس بات کی قوی دلیل ہے اور اپنے حکم میں ایسی عام ہے کہ لڑکی خواہ کنوارہ ہو کہ بیوہ ہو بالغ ہو یا نابالغ بڑی یا چھوٹی کی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا مگر اس کا یہ مطلب اخذ کرنا ہرگز صحیح نہیں کہ عورت عن کل الوجوه مجبور محض ہے اور اس کا ولی اس حد تک بے پناہ اختیارات کا مالک ہے کہ وہ اپنا ایک طرفہ فیصلہ اپنی زیر ولایت لڑکی پر ٹھونس سکتا ہے۔ شریعت اسے یہ اختیار عام ہرگز نہیں دیتی۔ بلکہ صحیح نکاح کا انعقاد ولی کی زیر ولایت لڑکی کے باہمی اہتمام و تفہیم اور دونوں کی رضا مندی سے منعقد ہوتا ہے۔ کسی ایک فریق (ولی یا لڑکی) کا ایک طرفہ اقدام شرعاً ہرگز قبول نہیں پس ولی اگر زیادتی اور ظلم کی ٹھان لے تو وہ شرعاً حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ولی کی ولایت سے مقصود لڑکی کی خیر خواہی ہے اور بھلائی ہے جب وہی ظلم پر آمادہ ہو جائے تو ولی کا ہے کارہا۔ مثلاً: ولی اپنی زیر ولایت لڑکی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے کسی ایسے شخص کے ساتھ اس کا نکاح کرنا چاہے جو اس کا کفو نہ ہو۔ یا لڑکی کو اس سے طبعی نفرت ہو یا اس طرح کی کوئی اور غرض ولی کے پیش نظر ہو مگر لڑکی کا روشن مستقبل اس کے مد نظر نہ ہو تو شریعت اس قسم کے ولی کو حق ولایت سے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ احادیث میں یہ بات بڑے صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے۔

(عائشہ آنہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ وَشَاهِدَيْنِ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَوَبَّأَهُ اللَّهُ لِيَكُونَ مِنَ الْمَرْغُوبِ» (۲: سبل السلام ج ۲ ص ۱۲۱) نیل الاوطار باب الشہادۃ فی النکاح 6 ص ۱۲۶ و ارواء الخلیل ج ۶ ص ۲۳۰)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی شہادت کے ساتھ۔ اگر ویوہ یا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو سلطان (قاضی وغیرہ) اس کا ولی بن جاتا ہے جس کا کوئی اور ولی نہ ہو گیا جھگڑے کی صورت میں ولی حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہو ہے یعنی ولی ہی نہیں رہتا کیونکہ جھگڑے اور ضد بازی کی صورت میں لڑکی کا روشن مستقبل ولیوں کی سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس ولی سے بھلائی اور نفع کی امید نہ ہو وہ ولی ازروئے شریعت ولایت کے حق سے معزول ہو جاتا ہے۔

(إذا كان الولي مضاراً فقلت رجلاً وانكحها فكذا جائز) (۱: رواہ الدارقطنی مع التعلیق المغنی وفتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۲۰۴)

”ولی جب عورت کو نقصان پہنچانے والا ہو اور کسی دوسرے ذمہ دار آدمی کو اپنا ولی مقرر کر کے نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح جائز نکاح ہوگا“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کو نقصان پہنچانے والا شخص اس کا ولی نہیں بن سکتا۔

امام شافعی کتاب الام میں یہ روایت لائے ہیں:

(عن ابن عباس قال «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيِّ وَشَاهِدَيْنِ عَدْلٍ» (۲: کتاب الام ج ۵ ص ۱۹ و نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۲۹ باب الشہادۃ فی النکاح و الدارقطنی ج ۳ ص ۲۲۲ و فی ارواء الخلیل عن ابن عباس قال لانکاح لابا ذن ولی مرشد او سلطان ج ۶ ص ۲۳۹ و فتح الباری ج ۹ باب السلطان ولی لانکاح الایولی مرشد او سلطان ج ۹ ص ۱۵۷)



یعنی ہدایت والے ولی یا سلطان وقت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ولی ہدایت والا اور لڑکی کی خیر خواہی چاہنے والا ہونا چاہیے۔ اگر وہ ان اوصاف میں کوراً ہو تو وہ ولی بننے کا اہل نہیں۔ غرض یہ کہ نکاح کی صحت کے لئے ولی کا ہونا از بس ضروری ہے، ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

چونکہ سوالنامہ کی خط کشیدہ صراحت کے مطابق مسماۃ صائمہ بنت فقیر محمد نے اپنے علاقائی (کی طرف سے) بھائیوں کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کو اپنا ولی بنا کر نکاح کیا ہے لہذا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔ کیونکہ والد کے بعد بیٹا اور اگر یہ بھی نہ ہو پھر عورت کا بھائی اس کا شرعی ولی بن سکتا ہے جیسا کہ ہندو پاکستان کے نامور مفتی اور مشہور عالم دین حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ یہ تصریح فرماتے ہیں:

”بہر صورت عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے اول نمبر والد ہے۔ بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں، اگر یہ ظلم کریں تو بھائی اس کے بعد چچا، پھر دادے کی اولاد اس طرح اوپر تک جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے۔ ماں کی طرف سے نہیں کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے اس لئے ماموں یا نانا وارث نہیں ہوتے لہذا۔ (۳): فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۰۸

چونکہ یہ نکاح باپ کی طرف سے بھائیوں کی اجازت کے ساتھ ہوا ہے لہذا اب دور کے چچا اور ماموں کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں۔

جواب: تنقیح نمبر ۲: چونکہ یہ طلاق حسین ساجد ولد عبدالحق عبید نے اپنے والد کی ہدایت پر اور مشورہ کے بعد بقائمی ہوش و حواس اپنے اختیار سے دی ہے لہذا یہ طلاق بلاشبہ واقع ہو چکی ہے مگر چونکہ یہ تینوں طلاقیں مجلس واحد میں دی گئی ہیں اور صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۲۷۷ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث:

(كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسُنَّتَيْنِ مِنْ خَلْفَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً)

کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی اور رجعی طلاق میں اندر عدت نکاح، بحال اور رجوع شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اور یہ طلاق چونکہ حمل کے دوران دی گئی ہے اور ابھی تک مسماۃ صائمہ بنت فقیر محمد سوال نامہ کی مخطوطہ تصریح نمبر ۲ کے مطابق حاملہ ہے، لہذا عدت ابھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ قرآن مجید کی نص جلی کے مطابق حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ... ۴... الطلاق

پس نکاح سابق بحال اور قائم ہے لہذا ساجد ولد عبدالحق عبید اپنی بیوی صائمہ دختر فقیر محمد سے رجوع کر سکتا ہے۔ نہ طلاق کی ضرورت ہے اور نکاح ثانی کی حلالہ تو ویسے بھی بے غیرتی کا مظہر اتم اور ملعون فعل ہے یہ جواب بشرط صحت سوال ایک شرعی مسئلہ کا اظہار ہے اور بس۔ مفتی کسی عدالتی کارروائی اور قانونی جھگیلوں میں ہرگز مسئول نہ ہوگا

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

فتاویٰ محدیہ

ج 1 ص 712

محدث فتویٰ